© rasailojaraid.com



# توحید اور اجتماعیت

مولانا حکیم ابوالنظر صاحب رضوی امروہی

اکتوبر اور نومبر کے برہان میں مولانا حامد الانصاری غازی نے "توحید کا مقصد وحید" کے عنوان سے جو مضمون لکھا تھا۔ مولانا ابوالنظر صاحب رضوی نے مضمونِ ذیل میں اُس پر کچھ تعقّبات کیے ہیں۔ جس مضمون پر تنقید کی گئی ہے جہانتک اُسکے مطالب کا تعلق ہے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اپنی جگہ وہ بڑی حد تک دُرست ہیں۔ تاہم زیر نظر مضمون اپنی افادی حیثیت کے اعتبار سے قدر کے لائق ہے۔ "برہان"

آج ایک ایسا فرض ادا کرنے کی جرأت کر رہا ہوں جو علمی زندگی میں سب سے زیادہ تلخ اور ناگوار فرض ہے۔ تنقید کو اگرچہ ایک تلخ حقیقت میں تحلیل نہیں ہو جانا چاہیئے تھا۔ لیکن اسکا کیا علاج کہ عام طور پر تنقید اپنے حدود سے تجاوز کر کے تنقیص کا رنگ اختیار کر چکی ہے۔ اور اس لئے کوئی سنجیدہ طبیعت ایسے غیر اخلاقی مشاغل کو پسند نہیں کر سکتی۔ شاید میں بھی تنقید کی جرأت نہ کر سکتا اگر مجھے اپنے ضمیر کی پاکیزگی، خلوص اور صداقت کا یقین نہ ہوتا۔ خلوص اور تمام نیک و بد جذبات اگر ایک طرف غیر محسوس حقائق میں شامل ہیں تو دوسری طرف پیشانی کی ہر شکن، نگاہوں کا ہر اشارہ اور تحریر و گفتگو کا ہر فقرہ رازِ درونِ پردہ کو بے نقاب کرنے کی طاقت بھی رکھتا ہے۔ مجھے ہرگز اس کی احتیاج نہیں کہ اپنے محترم غازی صاحب سے حسنِ ظن کی بھیک مانگوں۔ اگر میری نیت صاف ہے تو وجدان کو "بوئے مشکیں" محسوس ہو کر رہیگی ورنہ فریب و مغالطہ سے کیا نتیجہ؟

میں جانتا ہوں کہ ماحول اور اس کے مؤثرات، دماغی رجحان اور اُس کے انجذابات نظریات کا کسطرح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اختراع کرتے اور کس طرح زندگی کے ہر پہلو کو اُسی سانچے میں ڈھال دیا کرتے ہیں۔ ہمارے محترم غازی صاحب ایک سیاسی جریدہ کے مُدیر مسئول ہیں اور اس لحاظ سے اگر اُن کی تمام تر توجہات صرف ایک ہی نقطہ پر سمٹ کر رہ جائیں۔ اور اُن کے نزدیک حیاتِ اجتماعی اور نفسیاتِ اجتماعی سے زیادہ کسی دوسری چیز کی اہمیت درخور اعتناء نہ قرار دیجا سکے تو کیا تعجب؟ اگر ایک صوفی منش حافظ شیراز کے ہر رندانہ شعر کو حقائق رُوحانی کا ترجمان قرار دیسکتا ہے تو ہمارے مولانا ہی نے کونسا قصور کیا ہے کہ اُن کو اپنے خیالات و نظریات پیش کرنے کی اجازت نہ ہو۔ اگر مولانا ادریس صاحب تاریخ صابیت کو پیش کرتے ہوئے نمرود* کو بھی ستارہ پرست قرار دیسکتے ہیں حالانکہ قرآن اُس کے دعوائے خدائی کی صراحت کر رہا ہے۔ دوسرے مجادلہ ابراہیمی کی ایک مستحکم دلیل کو دو دلائل میں تقسیم کرنا پڑے گا اور پھر وہی اعتراض وارد ہوگا جو مولانا عبدالحق اورنگ آبادی نے مولانا ابوالکلام سے کیا تھا کہ پیغمبر کو جبکہ اُس کی حُجّت حُجّت الٰہی تھی کمزور دلیل نہیں دینا چاہئے تھی تاکہ دنداں شکن جواب پاکر دوسری دلیل نہ تلاش کرنا پڑے۔ اور شاید پھر وہی ادیبانہ جواب بھی دینا پڑے گا جو مولانا ابوالکلام نے آخری دور کے الہلال میں دیا تھا کہ دلیل کی کمزوری نہیں اپنی اپنی پسند ہے۔ پلاؤ کی قاب اُسے پسند نہ آئی مطنجن کی قاب پیش کردی حالانکہ اُس کو جواب کہنا سوال و جواب کی توہین ہے۔ پھر نمرود کو ستارہ پرست تسلیم کر لینے کی صورت میں حضرت ابراہیم کا اُس سے یہ مطالبہ کہ "ربّ اکبر کا طلوع مشرق کی بجائے مغرب سے کردے"(۱) کہانتک سنجیدہ سوال کہلایا جاسکتا ہے۔ ربّ اکبر اور ایک پرستار کے درمیان کیا کوئی تفاوت نہیں؟ ایک بندہ کو خدا پر حکومت کرنے کا کیا حق ہے؟

---

* نمرود کے دعوائے رُبوبیت اور ستارہ پرستی کے درمیان مُطابقت کی صرف ایک صورت ہوسکتی ہے جسکی تفصیل میرے مضمون "نظریہ موت اور قرآن" میں دیکھئے جو عنقریب شائع ہوگا اور جس کے اندر حجتِ ابراہیمی کے دوسرے پہلوؤں کو بھی واضح کیا گیا ہے۔ ابوالنظر رضوی (۱) اصل مضمون کی عبارت کیطرف مُراجعت کیجئے ۱۲ برہان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اِن حالات میں ہمارے غازی صاحب کا کسی نظریہ پر سارا زورِ قلم صرف کر دینا بیجا نہ کہا جاسکیگا۔ لیکن چونکہ وہ ایک عالِم ہیں، ایک ایسے اخبار کے جو مذہبی اِدارہ سے وابستہ ہے مُدیر مسئول ہیں اور پھر ایک سیاسی مصلح اور مُفکر بھی اِس لئے اُن کی معمولی لغزش پر بھی گرفت کرنا چاہیئے کجا ایک اسٹالسی نظریہ۔ غازی صاحب نے اپنے مضمون کے لئے دو عنوان تجویز فرمائے ہیں۔ "اسلام کا نظریہ اجتماع" اور "توحید کا مقصد وحید" اِن دونوں کو ایک مرکب عنوان میں تبدیل کر دیا جائے تو صاف طور پر یہ چیز واضح ہو جاتی ہے کہ غازی صاحب کا مُدعا "عقیدۂ توحید کو نظریہ اجتماع" ثابت کرنا ہے۔ چنانچہ باوجود توحید کے مختلف پہلوؤں پر دُھندلی روشنی ڈالنے کے ہر جگہ نتیجہ کے طور پر عقیدۂ توحید کو نفسیاتِ اجتماعی کا مرکز بنا سکنے کے لئے ایک بہتر اُسلوب، نظامِ اِجتماعی کا مستقر قائم کر سکنے کے لئے ایک مقناطیسی جاذبیت اور زندگی کی تمام سرگرمیوں کے لئے ایک عالمگیر مرکز بتایا گیا بلکہ یہاں تک کہدیا گیا ہے کہ

"دُنیا میں مذہب کی غایت ہمیشہ سے یہی تنظیم رہی ہے اور سلطنت کا نصب العین بھی اِس ہی غایت سے وابستہ رہا ہے۔"

اور "وَاعتصموا بحبل اللہ جمیعاً" کو بھی اجتماعی زندگی کے تمام عناصر ترکیبی کو ایک رشتہ میں محکم طور پر وابستہ کر سکنے کے لئے "قوی اسلوب" سے تعبیر کیا ہے یعنی "حبل اللہ" سے جن اخلاقی تعلیمات، رُوحانی اعمال و وظائف اور شرعی قوانین و فرائض کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے وہ اصل اور جوہر نہیں بلکہ اُسلوب بیان کو تقویت دینے کے لئے ایک بہتر طریقہ تھا اور اِس میں شک نہیں کہ اگر مذہب کی غایت ہمیشہ اِجتماعی تنظیم رہی ہے تو مذاہب کے تمام اعتقادات اور قوانین، کائنات انسانی کی اجتماعی زندگی کو منظم اور تابناک بنانے کے لئے ہی ہونے چاہئیں مگر کیا یہ سچ ہے؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



## آنچہ می بینم بہ بیداری ست یا رب یا بخواب

مجھے آج زندگی میں پہلی مرتبہ اپنی غلطی٭ کا احساس ہو رہا ہے کہ میں نے کیوں اپنے دوست نیاز فتحپوری کے اس ہی نظریہ کو ملحدانہ نظریہ سمجھکر ٹھکرا دیا تھا۔ نیاز صاحب کا نظریہ ہے کہ خدا اور مذہب انسانی دماغ نے اس لئے اختراع کر لیے ہیں کہ حیات اجتماعی کی تنظیم ہو سکے ورنہ اس غایت کے پس پردہ کوئی حقیقت نہیں۔ لیکن میں نے صرف اس لئے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا کہ میرے نزدیک عقیدۂ توحید ہی نہیں بلکہ ہر مذہب اور خصوصاً مذہب اسلام کے ہر عقیدہ وعمل کی غایت، موت یا ارتقائی انقلاب کے بعد منزل بہ منزل حقیقی، پرخلود، مجرد اور ابدی ہوتی جانے والی زندگی کے خدوخال اور آب و رنگ درست کرنا ہیں۔ اسلام کائنات کو جس امن، نظام اجتماعی، وحدت اور مساوات کی دعوت دیتا ہے اُس کی غایت اس زندگی سے جو اُس کی نگاہ میں زندگی بھی کہلائے جانے کی مستحق نہیں کہیں بلند تر ہے۔ کوئی شک نہیں کہ اُن تعلیمات کا فائدہ ضمنی طور پر اس زندگی کو بھی محسوس ہو گا اور یہ زندگی بھی پاکیزہ، پُرامن اور شریفانہ زندگی ہو جائے گی۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ مذہب اور اُس کے عقائد کی غایت خدانخواستہ نظام اجتماعی کو درست کرنا ہو سکتی ہے۔ غالباً غازی صاحب نے اسلام کو ایک اجتماعی مذہب ثابت کرنے کے جوش میں اس چیز کو فراموش کر دیا کہ وہ جو کچھ فرما رہے ہیں اُس کا اثر عام ذہنیات پر کیا مرتب ہو گا۔ اگر مذہب کی غایت بھی اس ہی زندگی تک محدود ہے تو پھر مذہب ہی کی کیا ضرورت ہے۔ ہم جس نظریہ اور جس حقیقت کو بھی مرکز بنا سکیں اور جس چیز سے بھی ہمارا اجتماعی نظام درست ہو جائے وہی ہمارا خدا اور وہی ہمارا مذہب ہو سکتا ہے۔ اگر دنیا اشتراکیت کے اتباع میں "روٹی" کو خدا بنائے یا امن کے دیوتا کی پرستش پر اتفاق کر لیا جائے۔ یا مختلف اقوام وممالک قانون

٭ میرے اس انداز تحریر سے یہ غلط فہمی نہ ہونا چاہئیے کہ خدانخواستہ میرے عقیدہ میں کوئی اضمحلال پیدا ہو گیا ہے۔ یہ چیز ایک سنجیدہ علمی طنز سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ ابوالنظر رضوی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



معیشت کے سایہ میں زندگی بسر کرنے کا عہد و پیمان یا بالفاظِ دیگر "بیعت" کریں اور اِس طرح نظامِ اجتماعی کی بنیاد پڑ جائے تو مذہب ہی کی قید و بند میں جکڑے رہنے کی کیا ضرورت ہو۔ کیا اشتراکیت پرست رُوس کا نظامِ اجتماعی ملک کی فلاح و بہبود نہیں کر رہا۔ کیا مسولینی اور ہرہٹلر کی آمریت نظامِ اجتماعی کے معاشی ارتقار کا باعث نہیں ہو رہی کیا امریکہ، فرانس اور برطانیہ کی جمہوریت مغربی اقوام کی تمدّنی ترقیات، اِجتماعی نظام اور معاشی حیات کو تابناک نہیں بنا رہی۔ جس طرح خدا اور اُس کی توحید ایک مرکز پر جمع کر سکتی ہے کیا اِس ہی طرح اُس کا اِنکار ایک اجتماعی مرکز پر جمع نہیں کر سکتا کمزوریاں اور نقائِص ہر نظریہ کے عملی پہلو میں پیدا ہو جایا کرتی ہیں۔ کیا اسلام کی ہزار سالہ تاریخ کمزوریوں اور نقائِص سے بالکل پاک ہے۔ جب اسلام جیسا مذہب بھی نصف صدی تک توحید کا پیغام دیتے ہوئے اجتماعی نظام کو درست نہ رکھ سکا تو کسی دوسرے عملی نظریہ کی کمزوریوں پر کسطرح تنقید کا حق دیا جا سکتا ہے۔ توحید کا اجتماعی پیغام بھی کائناتِ اِنسانی کے سارے نظام کو درست نہ کر سکا۔ اور توحید کے خلاف دہر پرستانہ نظریات بھی معاشی زندگی کا ایک حد تک اجتماعی نظام قائم کرنے میں کامیاب ہو چکے اور ہو رہے ہیں پھر اگر توحید اور مذہب کی غایت یہ ہی تھی تو نہ اِس کو منکرین خدا کے نظریات پر کوئی عملی تفوّق حاصِل ہے نہ مذہب اجتماعی نظام نہ قائم کر سکنے پر خود اپنی جگہ کوئی ایسی حقیقت رہ جاتا ہے کہ ہم اُس کو زینتِ آغوش بنائے رہیں

مادّی تمدّن کے معاشی ارتقار نے جب سے اُن علمار کے دل و دماغ کو بھی ماؤف کرنا شروع کیا ہے جو اسلام اور حقائق اسلام کے واحد ترجمان تھے اُس ہی وقت سے روحانی اخلاق کی اُن پاکیزہ، بیدار قوتوں کا رُخ بھی رُوحانی، مجرد اور حقیقی عوالم کی طرف سے ہٹکر مادی زندگی ہی کے نشیب و فراز کی طرف ہو گیا۔ نماز فوجی پریڈ ہو گئی اور رُوزہ تدابیر صحت کا ایک جزو۔ حج بین الاقوامی کانفرنس ہو گیا۔ اور توحید نظامِ اِجتماعی کا ایک قانون۔ جتنے ضمنی حقائق تھے اُن کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



غایات کی اہمیت سپرد کردی گئی اور جتنے غایات تھے وہ اس ہنگامہ میں ایسے گم ہوئے کہ پتہ ہی نہیں چلتا توحید کی صرف ایک غایت تھی کائنات کے ہر قابل پرستش وجود بلکہ ہر قوت کی تسخیر و جاذبیت سے انکار کرتے ہوئے درجہ بدرجہ صفات الٰہیہ میں گم ہو کر تجلیات ذاتیہ کے انجذابات تک رسائی حاصل کرلینا۔ یہ ہی ترقیات "تخلق باخلاق اللہ" کا ذریعہ تھیں اور یہ ہی صفات خداوندی کے عکوس وظلال حیات انسانی میں جذب کر کے آزادی، مساوات، انصاف، رواداری، محبت وغیرہ سے نظام اجتماعی کو جنت نگاہ اور فردوس گوش بنا دینے کی ذمہ دار۔

توحید سب سے پہلے زندگی کے سلبی پہلو کو پیدا کرنے کا سبق دیتی ہے اور "مُوتُوا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا" تک پہنچا دیتی ہے اس کے بعد ایجابی خُلق کا آغاز کرتی اور دُنیا کو عشرت کدہ بنا دیتی ہے۔ ڈاکٹر اقبال کے نزدیک سلبی اخلاقیات اسلامی تعلیم کا کوئی جزو نہیں بلکہ وہ رُہبانیت، زمانہ جاہلیت کی یادگار اور افیون خوردگی کا دوسرا نام ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے صُوفیہ کے کثیر طبقہ کی غیر عملی زندگی سے مُتاثر ہو کر "فنائے اَنانیت" کے نظریہ کو تباہ کُن قرار دیا اور اُس کے خلاف مسلسل جہاد کیا ہے۔ میں ڈاکٹر صاحب کی نیک نیتی کا اعتراف کرتے ہوئے یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ اُنہوں نے وہ ہی طریقہ کار اختیار کیا جو لینن نے رُوس کے مذہبی رہنماؤں کا طرزِ عمل دیکھ کر اختیار کیا تھا اُس نے خدا اور مذہب کے خلاف نفرت پھیلانا اپنا مطمح نظر قرار دے لیا اور ڈاکٹر صاحب سلبی اخلاقیات کے خلاف جہاد کرنا۔ حالانکہ اسلام سلبی خُلق کو ایجابی خُلق پیدا کرنے کے لئے ضروری قرار دیتا ہے سلب و نفی اگر عدمی پہلو سے آگے نہ بڑھ سکے تو یقیناً اسلام اُسے گوارا نہیں کرتا لیکن اگر اُسے ایجابی خُلق کی پہلی منزل بنا لیا جائے تو اُس کے نزدیک بہترین طریق کار ہوگا۔

میں یہاں اس مسئلہ پر مفصل گفتگو کرنا نہیں چاہتا لیکن اتنا عرض کر دینا ضروری ہے کہ خود توحید سلبی اور ایجابی حقائق کو ترکیب دیسکنے کا نام ہے اور زندگی کے دونوں پہلوؤں سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اپنی اپنی جگہ کام لینا کامیاب زندگی تک پہنچنے کے لئے ضروری - بہرحال توحید اور مذہب کی غایت ہرگز اجتماعیت نہیں ہوسکتی - اُس کی غایت اپنی زندگی کو خدا کے سپرد کر کے حیات ابدی کے امتیاز تک پہنچانا ہے - یقین رکھئے کہ جس لمحہ تک مادی تمدّن سے اثر پذیر ہو کر مذہب اور توحید کی اصل رُوح کو مادی قالب میں پیش کیا جاتا رہیگا مذہب ہرگز اپنا رُوحانی وقار قائم نہیں کرسکتا بلکہ اُس کی حیثیت مادی زندگی کے ایک بہتر نظام اور ایک بہتر قانون کی ہو کر رہجائے گی - توحید اپنے ضمنی نتائج کے اعتبار سے یقیناً ایک بہترین نظامِ اجتماعی ثابت ہوئی ہے اور ہوسکتی ہے - لیکن کیا محض اس بنا پر کہ ایک مرکزی تصوّر نے خیالات کو سمیٹ لیا ؟ زندگی میں سیکڑوں نظریات مرکزی تصوّر کی حیثیت پیدا کرتے رہتے ہیں مگر اُن سے کبھی وہ نتائج برآمد نہیں ہوئے جو اِسلام کا نظریہ توحید کرسکا -

دُنیائے اسلام جس زمانہ میں توحید کے پیغام سے دل و دیدہ معمور کئے ہوئے تھی اور جس کا دروازہ زیادہ سے زیادہ حضرت علیؓ کی خلافتِ راشدہ پر بند ہو جاتا ہے - اُس زمانہ کی اِشتراکیت دیکھئے اور رُوس کی اشتراکیت - زندگی کے کِسی پہلو میں بھی وہ زندگی محسوس نہ ہوسکے گی جو اِسلام کے زرّیں دور کی ہر ٹھوکر پر سجدہ کر رہی تھی - میں جو کچھ عرض کر رہا ہوں وہ معاندانہ نہیں بلکہ دونوں نظریات کے اِقتدار و حکومت کی تاریخ اُٹھا کر دیکھئے آپ خود محسوس کر لینگے کہ دونوں کے اساسی محرکات، غایات اور نتائج میں کیا فرق تھا (میری تمنا ہے کہ تعلیم اِسلام کے اُن حقائق پر جو معیشت و مُعاشرت اور نظام سیاسی سے وابستہ ہیں کوئی مستقل تصنیف کر سکنے کی فرصت پاسکوں - لیکن ماضی کو نہ یاد رکھ سکنے، حال کو نہ ٹھکرا سکنے اور مُستقبل کو نہ دیکھ سکنے والے کو کیا معلوم کہ یہ آرزو پُوری بھی ہوسکیگی یا نہیں) - اور کیا اس اِمتیاز و تفاوت کا سبب ایک مرکزی تصوّر کی عدم معنویت تھی، یا مرکزی تصوّر کے ذریعہ اُن لطافتوں، پاکیزگیوں اور تنویراتِ الٰہیہ کا اِنجذاب جس کی غایت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



قربِ الٰہی، حیات ابدی اور خلدِ تجلیات تھی۔

مرکزی تصوّر جیسے سیکڑوں حقایق اس زندگی میں ہر قدم پر ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں جنکا کچھ بھی نتیجہ نہیں۔ کیا اُس صداقت تک جو اسلام نے دُنیا کے سامنے پیش کی فلاسفہ، رُہبانیئیں، اور دوسرے طبقات نہیں پہنچ سکے تھے۔ غلط۔ آپ اسلام کی صداقتیں، ہر نظریہ، ہر شعر، ہر محاورہ اور ہر ادب لطیف میں پا سکتے ہیں۔ لیکن ایک فرق تھا اسلام نے اُن صداقتوں سے نتائج بر آمد کر سکنے کا طریقہ بتا دیا، اُن کی اہمیت محسوس کرادی اور اُن تفصیلات کو ختم کر دیا جن کے بغیر وہ کوئی معنویت نہ پیدا کر سکتے تھے۔

سرمایہ داری، مساوات، جمہوریت، آمریت، نظام اجتماعی کا درس، تہذیب و تمدن اور اخلاقِ انسانی کا عملی پہلو وغیرہ۔ یہ سب وہ چیزیں ہیں جن سے دُنیا نا آشنا نہیں۔ لیکن جب اِن ہی حقائق کو اسلام پیش کرتا ہے تو وہ ہر دوسرے نظریہ کے مُقابلہ میں زیادہ قابلِ عمل، فطرت کے زیادہ قریب اور نفسیاتِ انفرادی و اجتماعی کے بہترین ترجمان ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ ہر نظریہ جس کا اختراع ذہنِ انسانی نے کیا ہو کبھی مادّی ماحول اور اُس کے اِحتیاجات و اثرات سے بالاتر نہیں ہو سکتا۔ اِس ہی وجہ سے ہر نظریہ کسی مخصوص ماحول کا نتیجہ ہوتا ہے اور ہر زمانہ، ہر ماحول اور ہر طبیعت کے لئے ناموزوں۔

خدا نے جو قانون توحید کی بُنیادوں پر پیش کیا وہ چونکہ ماحول سے بالاتر حقائق ہی پر اُستوار کیا گیا اور اُن ہی علوم و معارف کی صداقتوں سے لبریز تھا جو نہ اِنسانی علوم کی طرح محدود تھے نہ ماحول کی کثافتوں سے آلودہ۔ اِس لئے اُن میں زیادہ پائندگی اور تابندگی تھی۔ مگر اُس ہی کے ساتھ چونکہ اُن کی بُنیاد و اساس روحانیت پر تھی اور وہ مادّی عیش و عشرت کو گوارہ نہیں کر سکتی۔ اس لئے اُن تعلیمات پر مادی پہلو کا غلبہ ہوتا چلا گیا اور آج وہ اُس ہی دائرہ میں پہنچ گئیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



جوہرِ انسانی نظریہ کا دائرہ ہے۔ حتیٰ کہ توحید کا نظریہ، وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے محاسن جذب کرنے کے بجائے نظام اجتماعی قائم کرنے کے واسطے "قوی اسلوب" اور زندگی کی سرگرمیوں کا نظام کار ہو کر رہ گیا ع

بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

توحید کا مقصد افراد، اقوام، ممالک، مذاہب اور نظریاتِ سلطنت کے باہم وحدت پیدا کرنا نہیں بلکہ اُن سب کو ماحولی مؤثرات سے بالاتر وحدت کاملہ سے وابستہ کر کے روحانی ترقیات، پاکیزہ اخلاق اور حیات ابدی کی لطافتوں میں گم کر دینا ہے۔ نظریات سلطنت تو کجا خود سلطنت ہی اسلام کے نزدیک توحید کے خلاف اور مادہ پرستی کا نتیجہ ہے۔ اسلام خلافت الٰہی چاہتا ہے۔ سلطنت نہیں۔ سلطنت اقتدار کی تشنگی ہے اور خلافت روح کو بیدار کر سکنے والے قوانین الٰہی کے نفاذ کی تمنا۔ توحید کا تقاضا خلافت ہے سلطنت نہیں۔

اقتدار حاصل کرنے کے لئے دُنیا خواہ اشتراکیت کا قانون تیار کرے خواہ آمریت اور جمہوریت کا اُس کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ توحید خود ساختہ قوانین و اصول سے بے نیاز کر کے براہ راست مرکز رُبوبیت سے احکامات حاصل کرنے کا مطالبہ کرتی ہے۔ نہ کہ غرض پرستانہ سعی و جُہد کے قدیم و جدید نظریات کے درمیان توحید و توافق کی آرزو مند۔ مادّی اختلافات میں یگانگت صرف توحید کے مرکزی تصوّر سے پیدا نہیں ہو سکتی یگانگت کے لئے فلاسفہ کے اخلاقیات سے بھی بالاتر لطیف، پاکیزہ اور الہیاتی اخلاقیات کا نمونہ اور عکس ہو جانے کی ضرورت ہے۔ نفس انفرادی یا نفسِ اجتماعی جب تک ہر تصور سے گذر کر خواہ وہ توحید جیسا مرکز ہی کیوں نہ ہو اپنی موت اور زندگی تک کو خدا کے لئے وقف نہ کر دیگا قیامت تک یگانگت، اتحاد اور توحید کی خلد بریں کو زمین پر نہیں اُتار سکتا۔ نظریہ اور تصوّر کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



حدتک توحید بھی وہ ہی درجہ رکھتی ہے جو دوسرے نظریات کو حاصل ہے۔ عمل اور تنہا عمل میں ہی یہ طاقت ہے کہ دوزخ کو جنت بنا سکے۔ یہ ہی وہ نکتہ ہے جس کی غلط تعبیر نے مولانا ابوالکلام جیسے مفسر کو مجبور کر دیا کہ وہ ایمان پر عمل کو ترجیح دیدیں۔ سب کچھ عمل ہی ہے مگر عمل بغیر نصب العین، مطمح نظر اور نقطۂ پرواز کے اپنی برقی قوتوں کو سمیٹ کر دنیا کو جگمگا سکنے والی سرچ لائٹ پیدا نہیں کرسکتا۔ عمل کے بغیر توحید ناممکن، اور توحید بغیر عمل کے بے معنی۔ جتنا عمل ہوگا اُتنا ہی توحید زندگی کو بہتر سے بہتر بنا سکے گی۔ توحید کو اگر نظریہ کی حد تک رکھا جائے تو نہ قرآن کی ضرورت رہتی ہے نہ پیغمبر کی۔ اِس لئے غازی صاحب کا فرض تھا کہ وہ ایک ہی پہلو پر اتنا زور نہ دیدیتے کہ دوسرا پہلو جس کے بغیر توحید توحید ہی نہیں رہتی مجروح اور غیر اہم ہو کر رہ جائے۔ مجھے قسم بخدا غازی صاحب کی نیک نیتی کے متعلق نہ کوئی شبہ ہے۔ نہ ہو سکتا ہے۔ اُن کی زبان، اُن کا قلم، اُن کا عمل، اُن کی ساری زندگی بتاتی ہے کہ اُنہوں نے اِس مضمون میں بھی جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ اسلام ہی کی تبلیغ کے لئے۔ مگر چونکہ غیر محسوس طور پر وہ مغرب کی مادّہ پرستی کے سایہ میں پناہ تلاش کرنے لگے تھے۔ اِس لئے میں نے مجبور ہو کر اُس پہلو کو واضح کر دیا، جو اُن کے دل میں ہوگا مگر زبانِ قلم تک نہ آسکا۔

غازی صاحب نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کو "قالب اور اصل" دونوں قرار دیا ہے حالانکہ نہ قالب اصل ہو سکتا ہے نہ اصل قالب۔ علیٰ ہذا اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ کی حیثیت لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے مقابلہ میں ہرگز روح کی نہیں بلکہ اُس طاقت کی سی ہے جو کسی مرکز سے پیدا ہو رہی ہو۔ یا اُس پھل کی سی جو کسی درخت کی مخفی استعدادات اور جواہر کو نمایاں کر رہا ہو۔ غازی صاحب نے بعض جگہ اپنے اسلامی جذبات کے زیر اثر توحید کے ساتھ "دین کی خدمت" کو بھی شامل کر دیا ہے۔ مگر اس طرح پر کہ مطالعہ کرنے والا اُس کو ذاتی جذبات سے زیادہ وقعت نہیں دے سکتا۔ اگر توحید

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



خود اپنا مقصد ہے اور نظامِ اجتماعی کو درست کر سکنے کے لئے فقط اِس مرکزی تصوّر پر ذہنی ایمان لے آنا کافی ہے تو دین اور اُس کی خدمت" دونوں کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ دین کی خدمت کا ضروری ہونا بتاتا ہے کہ توحید کا مرکزی تصوّر نظامِ اجتماعی کو درست نہیں کر سکتا۔ بلکہ نظامِ اجتماعی کے لئے توحید کی بنیادوں پر کچھ ایسے قوانین کی ضرورت ہے جو انسانی دماغ کے اضمحلالات سے پاک ہوں اور مادی ماحول سے بالاتر زندگی سے وابستہ۔ تاکہ ہر زمانے میں اُن پر اس طرح عمل کیا جا سکے کہ مادی اغراض کا باہمی تصادم اُن قوانین کو کوئی صدمہ نہ پہنچا سکتا ہو۔

کہا جا سکتا ہے کہ مادی ماحول سے بالاتر زندگی کو شاعرانہ تخیّل کے تحت بھی بنیاد بنایا جا سکتا ہے پھر یہ کس طرح یقین کر لیا جائے کہ مذہب نے جس زندگی کا دعویٰ کیا تھا وہ یقینی طور پر موجود ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ نظامِ اجتماعی کو عملی حقیقت بنا سکنے کے لئے "بغیر مطلع کی غزل" کہدی گئی ہو۔ مگر میں اس کے جواب میں مختصر طور پر یہ عرض کرنے کی اجازت چاہوں گا کہ جس کو یہ غلط فہمی ہو وہ سامنے آئے۔ اپنی زندگی کو تلاشِ حق کے لئے وقف کرے اور پھر دیکھے کہ جو کچھ کہا گیا تھا وہ کذب و افتراء پردازی تھی یا ایک صداقت۔

اگر مذہب کی بُنیاد کسی حقیقت پر نہوتی اور اُن حقائق کو مشاہدہ کرنے والے پاک دل اور جواں ہمت لوگ نہ پیدا ہوتے رہے ہوتے تو اس غزل کا "مقطع" بھی کب کا پڑھا جا چکا ہوتا۔ مادّی تمدّن کی کوئی جنّت اور اُس کا کوئی انقلاب آپ غور کیجئے کہ آج تک مذہب اور اُس کی بنیادوں کو کیوں اپنی سعیٔ تخریب سے برباد نہ کر سکا۔ انسان کی فطرت حیاتِ ابدی کی کیوں تشنہ ہے اور ہر مذہب میں ایسے لوگوں کی کیوں کافی تعداد پیدا ہوتی رہی جن کی زندگیاں اصلاحِ نفس و خلق ہی میں گذر گئیں۔ کائناتِ انسانی کبھی ایسی حقیقت پر مجتمع نہ رہ سکتی تھی جو کسی کے مشاہدہ میں نہ آئی ہو کاغذ کی ناؤ اور دھوکھے کی ٹٹّی زیادہ دنوں تک کام نہیں دے سکتی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



بہرکیف ہر نظامِ اجتماعی کی ابدیت کے امکانات، حیات اُخروی کو تابندہ کرسکنے والے قوانین پر عمل کرنے سے ہی پیدا ہو سکتے ہیں۔ کسی مرکزی تصور پر اتفاق کر لینے سے نہیں چنانچہ قرآن نے بھی اِس ہی بنا پر" اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا ۔ تمہارا خدا ایک ہی ہے اُس ہی کے سامنے جھکو" کے ذریعہ بتا دیا کہ تم کو ایک ہی خدا پر ایمان لانا اور اُس ہی کے قوانین کے اتباع میں اپنی تمام قوتوں کو مادی ماحول سے علیحدہ کر کے وقف کر دینا چاہیئے۔ یہ آیت صرف کسی ایک "مرجع محور اور مرکز" ہی کا تصور نہیں پیدا کرتی بلکہ اُس تصور کے سایہ میں اپنی عملی قوتوں کو نشوونما دینے پر بھی اُبھارتی ہے۔ غازی صاحب ایک جگہ فرماتے ہیں۔

"عقیدہ توحید کی کامیابی کا پہلا مرکز افکار کی توحید ہے اور افکار کی توحید اسوقت تک ناممکن ہے جب تک دُنیا کسی ایک مذہبی عقیدہ پر مجتمع نہ ہو جائے۔"

ایک تو یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ توحید افکار کے لئے مذہبی عقیدہ کی شرط کیوں لگائی گئی۔ کیا کوئی دوسرا نصب العین افکار و خیالات میں ہم رنگی اور یگانگت نہیں پیدا کر سکتا۔ آج بھی ہمارے سامنے اُس کے خلاف سیکڑوں شہادتیں موجود ہیں۔ پھر یہ دعویٰ کیوں کیا گیا؟ اگر دعویٰ کیا گیا تھا تو اس کے ساتھ کوئی نہ کوئی دلیل بھی ہونی چاہیئے تھی۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ مذہبی عقیدہ کے سوا دوسرے عقائد پر کسی توحیدِ افکار کو دوام وثبات نصیب نہیں ہو سکتا۔ جس لمحہ میں بھی متضاد اغراض ومقاصد کا تصادم ہوگا اُس توحید افکار کی شکستگی یقینی ہے دوسرے "مذہبی عقیدہ" کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔ آیا مقصد توحید کا نظریہ ہے یا کسی مذہب کے اُصولی عقائد پر ایمان لے آنا۔ اگر توحید مراد ہے تو توحید توحید پر موقوف ہوگئی تو یہ دَور و تسلسل کے "مالیخولیا" تک پہنچا دیگا۔ اور اگر اُصولی عقائد سے مراد ہے تو توحید سے پہلے اُصولی عقائد پر ایمان لانا ضروری ہو گیا۔ حالانکہ عقائد واحکام پر یکسوئی کے ساتھ بغیر توحیدِ افکار کے عمل ہو ہی نہیں سکتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



تیسرے اگر توحید افکار کے لئے ہر ایک مذہبی عقیدہ کافی ہو سکتا ہے تو اسلام کے نظریہ توحید کی کیا خصوصیت رہی اور جب ہر غلط، مسخ شدہ اور مکمل مذہب توحید افکار کا باعث ہو گیا تو فلسفیانہ یا معاشرتی نظریات سے توحید نہ ہو سکنے کی کیا دلیل دی جائے گی۔

غازی صاحب نے "اِھْبِطُوْا مِنْھَا جَمِیْعًا" کا ترجمہ "اے افرادِ انسانی اجتماعی شان سے زمین پر اُتر جاؤ" فرمایا ہے میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ اگر کسی مجمع کو دفعہ ۱۴۴ کے تحت منتشر ہونے کا حکم دیتے ہوئے کہدیا جائے کہ ایک گھنٹہ کے اندر سب کے سب "آزاد پارک" سے نکل جائیں تو اس میں کیا "اجتماعی شان" ہو جائے گی اور ہبوط میں وہ کونسا نظام اجتماعی تھا جس سے اولاد آدم زندگی کے تمدنی محاسن سے بہرہ یاب ہو سکی اور وہ بھی عالم مجرد یا عالمِ مثال میں۔ اور اگر اس مادی زندگی کے لحاظ سے دیکھا جائے تو حضرتِ آدم نے صرف حضرت حوّا کے ساتھ دُنیا میں تشریف لاکر اور سب کو ہزاروں سال تک انتظار کے عذاب میں چھوڑ کر کونسے فلسفۂ اجتماع کی پابندی فرمائی۔ اگر یہ کہا جائے کہ فرداً فرداً اُترنا ہی نظمِ اجتماعی تھا تو خدا کے "جَمِیْعًا" نہ فرمانے پر آخر انسانی تخلیق کے سلسلہ میں کیا انتشار پیدا ہو سکتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ جب انسان کسی خاص مطمح نظر کو اپنے رگ و ریشہ میں جذب کر لیتا ہے تو اُسے وحدت الوجود یا وحدت الشہود ہی کا مجسمہ بن جانا پڑتا ہے۔ مولانا چونکہ قومی اور اجتماعی تحریکات میں گھرے ہوئے ہیں اس لئے اُن کو قرآن کی ہر آیت میں وہ ہی حقیقت مضمر معلوم ہوتی ہے جو زندگی کا سرمایہ بن چکی۔ ورنہ بات سیدھی سادھی تھی قرآن نے تمام ذرّیاتِ آدم کو حیات ارضی سپرد کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور اس لئے اُن "سب کو" زمین پر قوانینِ قدرت کے تحت اُترنے کا حکم دیدیا گیا۔ یہ حال کچھ مولانا ہی کا نہیں بلکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ چونکہ آج کل میں ایک ایسا مضمون لکھ رہا ہوں جس میں زندگی کے ہر پہلو کو قوانین قدرت کے تحت دکھایا گیا ہے اس لئے یہاں بھی بیساختہ قلم نے "قوانین قدرت" کا اضافہ کر دیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ایک مسلمان اگر دوسرے مسلمان کا آئینہ نہ ہوتا تو ہرگز کسی کا چہرہ، اُس کے خدوخال اور اُس کا آب ورنگ خود اُس کو نظر نہیں آسکتا تھا۔

غازی صاحب نے فرید وجدی کے بعض اقوال بھی نقل کئے ہیں۔ اس سے کس کو انکار ہوسکتا ہے کہ اسلام وحدتِ انسانیہ کا داعی ہے۔ سوال تو صرف یہ تھا کہ توحید کی غایت نظامِ اجتماعی ہے یا حسنِ عاقبت۔ میرے نزدیک غایت حُسنِ عاقبت کو قرار دینا چاہیئے اور توحید کے زائیدہ نظامِ اجتماعی کو ایک ضمنی حقیقت۔ خواہ ہماری موجودہ زندگی کے لحاظ سے اُس کی اہمیت بھی ناقابلِ انکار ہو۔

شیخ محمد سفارینی نے توحید کی سہ گانہ تقسیم کی ہے جس کا مدعا کائنات کی ہر گونہ طاقت کا سلب ونفی اور محض خدا کی قوتوں کا ایجاب واثبات تھا۔ غازی صاحب اُس کو "عقیدۂ توحید کے تین اجتماعی پہلو" بتاتے ہیں۔ نہ معلوم اُن کے نزدیک "اجتماعی پہلو" کا کیا مفہوم ہے؟ بظاہر اس کے معنی "اُن پہلوؤں" کے ہونے چاہئیں جنکا اثر انسان کے نظام اجتماعی پر مرتب ہوتا ہو۔ میرا خیال ہے کہ ان پہلوؤں کا تصور خالص توحید کا سبق دینے کے علاوہ حیاتِ اجتماعی کے کسی قانون اور قانون کی دفعہ میں بھی اضافہ نہیں کرتا۔ توحید کے "تین ہی عقلی پہلو" تھے جنہیں بیان کر دیا گیا۔ اجتماعیت کے سلسلہ میں جو نظریات اختراع کئے گئے ہیں اُنہیں نہ توحید کے پہلوؤں سے کوئی اضافہ ہوا نہ ترمیم۔ بلکہ اُس حقیقت کی مزید تصدیق ہوگئی جس پر میں زور دینا چاہتا ہوں۔ "افتقار، ذِلّ اور توجہ" روحانیت پیدا کریں گی یا نظامِ اجتماعی کی درستگی۔

مجھے علامہ سید سلیمان ندوی مدظلہٗ کے اِس نظریہ سے اختلاف نہیں کہ "توحید* اسلام کی وہ روح ہے جس نے دین کے علاوہ سیاست کا کام بھی انجام دیا اور کم از کم بارہ سو[۱۲۰۰] سال تک

* مضمون "مسلمانوں کی آئندہ تعلیم"۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اُس نے ہر میدان میں اسلام کے علم کو بلند رکھا ہے" لیکن توحید کے اُن پہلوؤں کو جو خالص دینی اور روحانی ہیں اجتماعی پہلو نہیں کہنا چاہیئے۔ ورنہ یُوں تو اسلام کا وہ کونسا نظریہ اور کونسا عملی پہلو ہے جو دِین کے ساتھ سیاست درآغوش نہ ہو۔ اگر اِس اعتبار سے کہا گیا تھا تو مجھے کوئی اِختلاف نہیں ورنہ تحقیق کا منشا یہ ہے کہ ہر چیز کو اپنی اپنی جگہ رکھا جائے بصُورت دیگر جب کبھی اِس کے خلاف کیا جائیگا نظریات کے باہمی تصادم کو روکا نہیں جاسکتا۔ غازی صاحب "وحدتِ مقصد" کا نام "توحید" رکھتے ہیں اور علاّمہ سید سُلیمان صاحب ندوی فرماتے ہیں کہ "مذہب کی اصطلاح میں اِس ہی "ذہنی وحدتِ مقصد" کا نام ایمان ہے جس کے بغیر کسی عمل کو اعتبار کا درجہ نہیں مِل سکتا" وہ ہی ایک وحدتِ مقصد ہے ایک صاحب اُسے "توحید" فرماتے ہیں اور دوسرے "ایمان"۔ حالانکہ دونوں اپنی اپنی جگہ مستقل حقائق ہیں۔ اُور دونوں میں سے ایک بھی "ذہنی وحدت مقصد" کا نام نہیں۔ ضِمنی حقائق و نتائج کو جہاں بھی اصل وغایت کی اہمیّت دی جائے گی علمی نظریات ہمیشہ مختلف نتائج تک پہنچتے رہیں گے۔ اور جس لیلائے "وحدت" کے عشق میں صحرانوردی تک گوارا کی گئی تھی وہ ہر تصوّر سے دور تر ہوتی جائے گی۔

نیک نیتی کے باوجود میں نے کوئی غلطی کی ہو تو اُس پر متنبہ کردیا جائے اور اگر جو کچھ عرض کیا گیا ہے اُس سے اتفاق کیا جاسکتا ہو تو کم از کم اُن حضرات کو جن کے خیالات اور نتائج فکر کے ہر نقطہ سے مسلمانوں کی ذہنیّت متاثر ہوتی ہے آئندہ ذمہ داری کے ہر پہلو کا زیادہ لحاظ رکھتے ہوئے لکھنا چاہیئے تاکہ وہ مستقبل جو سیاسی، مذہبی اور اقتصادی انقلابات کے سایہ میں تیار ہو رہا ہے کوئی ایسا حظّ زندگی تلاش نہ کرے جسے اسلام کی اصل رُوح سے کوئی مناسبت نہ ہو۔ اگر میرا خیال درست ہی تو تائید کیجئے اور اگر غلط ہو تو تردید تاکہ میں اپنی ذہنی کمزوریوں کو محسوس کرسکوں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



# درسیات

(از اثرِ خامہ جناب منشی نثار احمد صاحب اقبال سہارنپوری جانشین حضرت داغ دہلوی)

**رباعی ۱**

آفات و مصائب کا طلبگار نہ بن
آماجگہ آہِ شرر بار نہ بن
بنتا ہی خطا کار اگر ہے تجھ کو
جو چاہے سو بن مگر دل آزار نہ بن

**رُباعی ۲**

بدکار و بد اطوار بد آثار نہ بن
بدکیش و بد اندیش و بد افکار نہ بن
کر نیک عمل تاکہ سُبک تر جائے
خود اپنے لئے آپ گراں بار نہ بن

**رُباعی ۳**

انگشت نمائی کا سزاوار نہ بن
قابل ہے تو ناقابلِ ایثار نہ بن
اِنساں کا شرف یہ ہے کہ ہو محو نیاز
دانا ہے تو مستِ مئے پندار نہ بن

**۴**

رنگینیٔ عالم کا پرستار نہ بن
نادان نہ ہو ناواقفِ اسرار نہ بن
مفہوم مضرّت ہو سراپا جس کا
اُس چیز کا اُس شے کا خریدار نہ بن

---


# قرآن شریف کی مکمل ڈکشنری

مصباح الفرقان فی لُغات القرآن" اردو میں سب سے پہلی کتاب ہے جس میں قرآن مجید کے تمام لفظوں کو بہت ہی سہل ترتیب کے ساتھ اس طرح جمع کیا گیا ہے کہ پہلے خانہ میں لفظ، دوسرے میں معنیٰ اور تیسرے خانہ میں لفظوں سے متعلق ضروری تشریح، اسی کے ساتھ بعض ضروری اہم اور مفید باتیں درج کی گئی ہیں مثلاً انبیائے کرام کے نام جہاں جہاں آئے ہیں اُن کے حالات بیان کئے گئے ہیں، یہ کہنا بے مبالغہ ہے کہ لُغتِ قرآن کی تشریح کے سلسلہ میں اردو زبان میں اب تک ایسی کوئی کتاب شایع نہیں ہوئی۔ کتاب عام پڑھے لکھے مسلمانوں کے علاوہ طلباء اور انگریزی داں اصحاب کیلئے خاص طور پر مفید ہے کتابت و طباعت عمدہ۔ بڑا سائز مجلد

قیمت للعہ رعایتی للعہ خریداران برہان تین روپیہ بارہ آنے۔ پتہ:- **منیجر مکتبہ برہان" قرول باغ نئی دہلی۔**


© rasailojaraid.com